بانو قدسیہ کا سماجی شعور

طیبہ نگہت: اسسٹنٹ پروفیسر
گورنمنٹ کالج ویمن یونیورسٹی فیصل آباد

Abstract:
"Bano Qudasia is a great Urdu fiction writer of the modern era. She occupies a prominent position in the literary world due to her style of writing. She has written in multidimensional genres of prose. Her fiction, dramas, essays and novels are the precious capital of Urdu literature. She has defined artistically the class conflicts, social customs, the ignorance of the young generation, the sense of depravity and insecurity of women with her creative glooming ideas. She has geniously presented the social evils which cause great chaos in the society. Her fiction is the reflection of her deep insight of society and the depth of her study."

بانو قدسیہ کا نام اردو افسانہ نگاری میں کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ بانو نے جس دور میں افسانہ نگاری کا آغاز کیا وہ دور اردو افسانے کا عہدِ زریں تھا۔ بڑے بڑے افسانہ نگار اس میدان میں اپنے فن کا لوہا منوا چکے تھے۔ ان بڑے لوگوں کی موجودگی میں نمایاں جگہ بنانا بڑا مشکل کام تھا مگر بانو نے نہ صرف ان افسانہ نگاروں میں اپنا منفرد مقام پیدا کیا بلکہ یہ نام آسمانِ ادب پر درخشندہ ستارہ بن کر چمکا۔

بانو کو سماجی مطالعہ سے گہرا لگاؤ ہے۔ ان کی کہانیاں سماج ہی سے ترتیب پاتی ہیں انھوں نے اپنی ان کہانیوں میں سماج میں موجود زندہ کرداروں کو زندگی گزارتے ہوئے مختلف زاویوں سے دیکھا اور تخلیقی شان سے پیش کیا۔ انھوں نے اپنی تخلیقی اور فنی وسائل کو بھرپور انداز میں بروئے کار لا کر سماجی زندگی کی ان برائیوں اور مسائل

کو بے نقاب کیا جو معاشرتی زندگی کے باطن میں ہنگامہ خیز تلاطم پیدا کرتے ہیں۔ان کہانیوں میں اعلیٰ سوسائٹی کے چونچلے، ان کا منافقانہ رویہ، کھوکھلا پن، ریاکاری اور طبقاتی کشمکش جیسے اہم موضوعات کو بڑی خوبصورتی سے برتا گیا ہے۔

ڈاکٹر مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں:

''بانو قدسیہ کے افسانوں میں نئی اور پرانی اقدار کا تصادم اور رسوم ورواج کی جکڑ بندیاں، ازدواجی زندگی کی پیچیدگیوں کے ساتھ کچھ اس طرح مربوط اور منسلک ہیں کہ انھیں الگ الگ خانوں میں بانٹ کر نہیں دیکھا جا سکتا۔''(۱)

بانو کے موضوعات عام زندگی سے تعلق رکھتے ہیں انھوں نے اپنے افسانوں میں طبقاتی کشمکش، معاشرتی رسم و رواج، نوجوان نسل کی بے راہ روی اور ان کے ذہنی مسائل، محبت، عورت کا احساسِ محرومی، عدم تحفظ اور ازدواجی تعلقات جیسے اہم موضوعات کی بڑی خوبصورتی سے برتا ہے۔اور یہ تمام ایسے موضوعات ہیں جن کا ہماری زندگی اور معاشرے سے بڑا گہرا تعلق ہے۔

بانو کا افسانہ ''کلو'' فنی لحاظ سے اعلیٰ پائے کا افسانہ ہے۔افسانے کا مرکزی خیال کالے اور گورے رنگ کی تفریق ہے۔کلو اپنے کالے رنگ کے باوجود کسی احساس کمتری میں مبتلا نہیں۔بانو قدسیہ نے پہلے ہی جملے میں کلو کے کردار کی وضاحت کر دی ہے۔

''جب کسی بدصورت عورت کا روپ ڈس لیتا ہے تو انسان جنم جنم کا روگی بن جاتا ہے۔''(۲)

ڈاکٹر انوار احمد رقمطراز ہیں:

'' ''کلو'' سے ان کے تخلیقی تعارف کا حقیقی آغاز ہوا اور بانو کی جانب سے معاشرے کے دھتکارے ہوئے یا نظرانداز کیے جانے والے لوگوں کو جذباتی کمک پہنچانے کا سلسلہ بھی شروع ہوا۔کہنے کو تو اس کہانی کی فضا میں روایتی رنگ گھلے ہوئے ہیں مگر اس میں چند مکالمے اور تخلیق کار کا فنی رویہ ایسا ہے کہ احساس ہوتا ہے اردو میں منفرد افسانہ نگار طلوع ہو رہا ہے۔''(۳)

بانو قدسیہ نے اپنے افسانوں میں عورتوں کے مسائل کو اپنی کہانیوں کا موضوع بنایا۔''کلو'' میں بھی عورت کے کردار کو حقیقی روپ میں پیش کیا گیا ہے کہ معاشرے کی تمام تر سفاکی اور بے رحمانہ رویہ کھل کر قاری کے سامنے

آ جاتا ہے۔ ہمارا سماج کالے رنگ کی عورت کو قبول نہیں کرتا اور کالے اور گورے رنگ کا احساس اب تک ہمارے ذہنوں پر چھایا ہوا ہے۔اس افسانے کے بارے میں خود بانو قدسیہ کہتی ہیں:

''ہم مشرقی لوگ عجیب بے تکے ہوتے ہیں برسوں انگریزوں کی غلامی میں رہے اور جب کبھی اس نے ہمیں ''کالا آدمی'' کہہ کر مخاطب کیا تو ہمارا خون کھولنے لگا۔آج بھی ہم امریکیوں کو نیگرو لوگوں سے نفرت کرنے پر لعنت ملامت کرتے ہیں لیکن ہمارے اپنے ہاں گورے کالے کا ایسا لمبا سلسلہ چلتا ہے کہ محبوب کی زلف کی طرح سمٹنے ہی میں نہیں آتا۔''(۴)

بانو نے اپنے افسانوں میں جاگیردرانہ نظام ،عدم مساوات اور سرمایہ داروں کی سفاکیت کی اصل صورت حال واضح کی ہے۔ان کے افسانوں کی بنیاد ہی سماجی ہے اور سماج میں پھیلی ناانصافی ،ظلم وتشدد اور جبر کو لوگوں کے سامنے پیش کرتی ہیں۔

''چھمو'' افسانہ بھی جاگیرداروں اور سرمایہ دار طبقے کی منافقت، بے حسی اور دوغلے پن کا عکاس ہے۔ جاگیردار بظاہر تو اعلیٰ اقدار اور متمدن زندگی کی پاسداری کرتے ہیں مگر حقیقت میں وہ دوہرے معیارات کے حامل افراد ہوتے ہیں اور اپنے ملازمین کو غلام سمجھتے ہیں۔ان کی تمام تر زندگیاں جاگیرداروں کے رحم وکرم پر ہوتی ہیں حتیٰ کہ ان کی مائیں بیٹیاں بھی ان کی ہوس کا شکار بنتی ہیں۔ان کہانیوں میں زندگی کی سچائی اور سماج کا جیتا جاگتا پیکر جلوہ گر ہوتا ہے۔

''بڑا بول'' بھی ایسے ہی جاگیرداروں کی کہانی ہے جو اپنے مزارعوں اور کسانوں کو کسی قسم کی عزت کے قابل نہیں سمجھتے۔بانو قدسیہ نے کہانی میں معاشرے کے تضادات کو ابھارا ہے۔اخلاق کے علم برداروں کی شخصیت کو بے نقاب کیا ہے۔ان افسانوں میں سرمایہ دارانہ نظام اور اس سے پیدا شدہ محرومی، طبقاتی کشمکش، روحانی بے سکونی ،مکروفریب اور ناتمام خواہشوں کی جلن کو بیان کیا ہے۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

''بانو کے افسانے پاکستان کی معاشرتی زندگی اور متوسط طبقے میں فروغ پانے والے جذبات و احساسات کے افسانے ہیں۔ان کے بیشتر افسانے مایوسیوں اور محرومیوں سے جنم لیتے ہیں اور اداسی پر ختم ہو جاتے ہیں۔اداسی کی اس لپیٹ میں مرد کردار بھی آتے ہیں اور نسوانی بھی۔بانو کا افسانہ زندگی

کی زمینی حقیقت سے جنم لیتا ہے اور معاشرتی آگہی کا آئینہ دار بن جاتا ہے۔
یہی وجہ ہے کہ ان کا شمار اس عہد کی ممتاز ترین افسانہ نگاروں میں ہوتا
ہے۔''(۵)

بانو قدسیہ کا مطالعہ ومشاہدہ بہت عمیق ہے۔انھوں نے اپنے ماحول، سماج اور اپنے دور کی زندگی کو بڑی گہری نظر سے دیکھا، سمجھا اور برتا ہے۔ان کے افسانے انسان اور سماج کے گرد گھومتے ہیں۔معاشرے کے تمام سماجی، معاشی، اخلاقی، نفسیاتی اور رومانوی مسائل کو سمیٹتے ہوئے انھوں نے افراد کو اپنا موضوع بنایا ہے۔بانو نے طبقاتی کشمکش، اقتصادی ناہمواریوں اور سماجی کمزوریوں کو اپنی کہانیوں میں بیان کیا ہے۔

''خوردسال'' میں نچلے طبقے کے مسائل، مالی مشکلات، ذہنی ناآسودگی کو بڑی عمدگی سے پیش کیا ہے۔ زندگی کی تلخ حقیقتوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔''واماندگی شوق'' کا شمار بانو کے بہترین افسانوں میں ہوتا ہے۔اس افسانے سے بانو نے افسانہ نگاری کا آغاز کیا اور ادبی دنیا میں ایک نئے افسانہ نگار کا آغاز ہوا۔

ڈاکٹر انور سدید لکھتے ہیں:

'' ''واماندگی شوق'' بانو قدسیہ کے فن کا پہلا نقش ہے۔انھوں نے زندگی کی
امیدوں اور محرومیوں کو مردانہ وار دیکھا اور نظر کی پختگی کا ثبوت دیا اور اردو
افسانے کی دروبست کو اس طرح ترتیب دیا کہ ان کی فنی پختگی اپنا اظہار خود
کرنے لگی اور محسوس کیا جانے لگا اور اردو افسانے کے افق پر ایک روشن
ستارے کا طلوع ہو گیا۔ان کے پہلے ہی افسانے نے اردو کے افسانوی
ادب میں ان کا مقام محفوظ کر دیا تھا۔''(۶)

بانو نے اس افسانے کا موضوع سماجی مسائل سے اخذ کیا ہے۔نئی اور پرانی تہذیب کا ٹکراؤ اور نوجوان نسل کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی اور ہمارے معاشرے میں موجود رسم ورواج کی پابندی پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے سماجی مسائل کے گوناگوں پہلوؤں کو افسانے میں جگہ دی۔

''شکرانہ'' کا موضوع بھی اقدار کی تبدیلی اور نئی اور پرانی نسل کی آویزش ہے۔افسانے میں سماج کے ایک حساس مسئلے کی طرف نشاندہی کی گئی ہے۔نئی نسل بزرگوں کو اپنے اوپر بوجھ سمجھتی ہے حالانکہ یہی بزرگ ہوتے ہیں جو محنت ومشقت سے ان کی پرورش کرتے ہیں اور جب زندگی میں کوئی مقام حاصل کر لیتے ہیں تو یہی بزرگ انھیں بوجھ لگنے لگتے ہیں۔

''ہمارے ٹکڑوں پر پل رہے ہیں اور اوپر سے گھمنڈ دیکھو زیادہ سے زیادہ اپنی بیٹی کے پاس ہی چلا جائے گا نا جس کی جہاں پاک میں تو دو نفلیں پڑھوں گی شکرانے کی۔''(۷)

افسانے میں سماجی اقدار اور سماج کی بدنمائی کو اجاگر کیا گیا ہے۔ وہ سماج کی فرسودہ روایات کے خلاف آواز اٹھاتی ہیں۔ وہ ہر افسانے میں سماج کے نت نئے پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہیں۔ ان کہانیوں میں انسانی زندگی، اس کی خوشیاں، غم، ناکامیاں، تمنائیں اور ایثار و قربانی کا جذبہ کارفرما ہے۔

بانو قدسیہ کے موضوعات عام زندگی سے تعلق رکھتے ہیں انہی کے گرد انھوں نے اپنی کہانیوں کا تانا بانا بنا ہے۔ انھوں نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے اور سماج کے مختلف پہلوؤں کی تصویریں پیش کی ہیں۔ ان کی افسانہ نگاری کا محور ہی انسان اور انسانی زندگی ہے۔ اس لیے انھوں نے اپنی کہانیوں میں ظلم، جبر، طبقاتی کشمکش، جاہلانہ رسومات اور مذہبی بے راہ رویوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔

عفت افضل لکھتی ہیں:

''ایک اچھے افسانہ نگار کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں اور مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنائے۔ بانو کے افسانوں کا موضوع بھی معاشی اور معاشرتی حوالے سے زندگی کے حقیقی واقعات، مرد اور عورت کے سماجی، معاشی اور باہمی تعلقات اور رشتے اور عورت کے جسمانی، روحانی اور نفسیاتی مسائل ہیں۔ بانو ایسی مصنفہ ہیں جو اپنے اردگرد کے ماحول پر گہری نظر رکھتی ہیں جو بھی واقعہ، کہانی یا کردار انھیں متاثر کرتا ہے وہ ان کے افسانوں کا موضوع بن جاتا ہے۔''(۸)

بانو نے طوائف کے موضوع پر بھی قلم اٹھایا ہے مگر ان کے افسانوں میں طوائف کے ذکر کے ساتھ جنسی آسودگی کا احساس نہیں ہوتا بلکہ تلخ اور حقیقی حقائق واضح ہوتے ہیں۔ ''مجازی خدا'' میں بھی ایک ایسی عورت کی کہانی بیان ہوئی ہے جو کئی برسوں سے مجرا کرتی آئی ہے مگر وہ اس پیشے کو چھوڑ کر پاکیزہ عورتوں جیسی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ باعزت زندگی گزرانے کے لیے اس کا کوئی عاشق بھی ساتھ دینے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے جاگیردار اور سرمایہ داران سے اپنی جنسی تسکین کا سامان تو کرتے ہیں مگر عزت کی زندگی نہیں دے سکتے۔

بانو قدسیہ اس کی کیفیت کے بارے میں اظہار کرتی ہیں:

''تابی کے دل پر ہر بار چوٹ سی پڑتی اس کا جی کہنا کہ لو صاحب اچھی نیکی کی
راہ پکڑی سب نے ٹکسال باہر کر دیا۔ کہاں تو لوگ آنکھوں پر بٹھاتے تھے
کہاں اب منہ پر مکھی تک نہیں جھولتی۔''(۹)

بانو کے افسانے معاشرے کی زندہ حقیقتوں کے افسانے ہیں۔انھوں نے حقیقت واقعیت سے بھر پور افسانے لکھے۔ان افسانوں میں زندگی کے کسی نہ کسی اہم پہلو کی وضاحت ضرور ملتی ہے۔ان کہانیوں میں ہماری سماجی،نفسیاتی اور جذباتی کیفیات کے مختلف رنگ جھلکتے ہیں۔

''مجرا'' کی کہانی بھی طوائف ہی کے گرد گھومتی ہے۔طوائف ہمارے معاشرے کی ایسی مظلوم ہستی ہے جو مرد کی بالا دستی کا شکار ہے۔مرد کی خواہشات کی تسکین کے لیے نسوانیت کی متاع عزیز قربان کر دیتی ہے لیکن اس کے احساسات جذبات کی کسی کو پرواہ نہیں۔

بانو قدسیہ کو فن افسانہ نگاری پر مکمل گرفت ہے اس کا احساس ان کے ہر افسانے سے ہوتا ہے۔ان کے افسانوں میں موضوع اور ہیئت کا امتزاج،مواد اور اظہار کی ہم آہنگی ہے۔ان کی کہانیوں کے کردار سماج اور معاشرے کے زندہ جاوید کردار نظر آتے ہیں اور زندگی کی حقیقتوں سے بالکل قریب افسانوی صفحات پر زندگی بسر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔انھوں نے معاشرے کے تلخ حقائق اور گھناؤنے پہلوؤں پر سے پوری طرح پردہ اٹھایا ہے۔انھوں نے کرداروں کی داخلی،جذباتی ونفسیاتی کیفیات کو بڑے اچھے انداز سے پیش کیا ہے۔

وہ ان کہانیوں میں سماج کے اصلی روپ کو دنیا کے سامنے پیش کرتی ہیں۔ان کے افسانے ہماری معاشرتی زندگی کے آئینے میں انسانوں کے معاشی اور معاشرتی مسائل کی بڑی اچھی تصویر کشی کی گئی ہے۔بانو کو سماجی مطالعہ سے گہرا لگاؤ ہے انھوں نے اپنی ان کہانیوں میں گہرے سماجی شعور کا اظہار کیا ہے۔ان کے افسانوی شعور کا جمالیاتی آہنگ تخلیقی اعتبار سے ایک مکمل وحدت کا تاثر دیتا ہے اور زندگی کے اندرونی کرب اور اس کی تشنگی کو بڑی شدت سے ظاہر کرتا ہے۔

انھوں نے ناہموار معاشرے کے نظام اقدار کی تصویریں کھینچی ہیں۔انھوں نے ان کہانیوں میں زندگی کے ہر پہلو کی ترجمانی کی اور زندگی کی کسی نہ کسی اہم حقیقت کو بے نقاب کیا ہے۔یہ کہانیاں ان کی سماج پر گہری نظر اور مطالعہ کی وسعت کی غماز ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، اردو افسانے کی روایت، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۰۳

۲۔ بانو قدسیہ، کچھ اور نہیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص: ۳۹

۳۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ: ایک صدی کا قصہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۰۷ء، ص: ۶۹۰

۴۔ بحوالہ، فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگار، کراچی: اردو اکیڈمی، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۳۰

۵۔ انور سدید، ڈاکٹر، بانو قدسیہ: شخصیت اور فن، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۸ء، ص: ۵۸

۶۔ ایضاً، ص: ۳۷

۷۔ بانو قدسیہ، دست بستہ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، س ن، ص: ۲۲۰

۸۔ عفت افضل، بانو قدسیہ، شخصیت اور فن، حیدر آباد: ادارہ انشاء حیدر آباد، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۳

۹۔ بانو قدسیہ، بازگشت، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱